سیرتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا عملی پہلو

مولانا ابو احمد محمد فاروق

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کس چیز میں اور کیوں کرنی چاہیے؟ اس کے لیے ہمیں سیرۃ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا عملی پہلو دیکھنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے اور تنہا یہی ایک معیار اس فیصلہ کے لیے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہوسکتا ہے۔ مفید نصیحتوں اور اچھی اچھی تعلیمات کی دنیا میں کمی نہیں، کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے۔

انسان کی عملی سیرت کا نام ''خلق'' (اخلاق) ہے۔قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونچے اخلاق کے بارے میں یوں گواہی دی:

''وَإِنَّ لَکَ لَأَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ وَإِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ''۔ (القلم:۳،۴)

''(اے محمد!) بے شک تیرا اجر نہ ختم ہونے والا ہے اور بے شک تو بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہے''۔

یہ دونوں فقرے گونحو میں معطوف ومعطوف علیہ ہیں، لیکن درحقیقت اپنے اشارۃ النص اور ترکیبِ کلام کے لحاظ سے علت ومعلول ہیں، یعنی دعویٰ ودلیل ہیں، پہلے ٹکڑے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ ہے اور دوسرے ٹکڑے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور اخلاق کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق خود اس کی دلیل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجر کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ کسی معذور، مجبور یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو وحلم سے نہیں کی جاسکتی، لیکن قوت پاکر عفو اور حلم پیش کرنا بلند اخلاقی ہے۔ ایک شخص نے کسی کو مارا نہیں، کسی کو قتل نہیں کیا، کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، کسی کا مال نہیں لوٹا، لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں۔ یہ بتاؤ کہ مارا تو نہیں، لیکن کسی غریب وکمزور کی مدد کی؟ کسی کو قتل نہیں کیا، لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچایا بھی؟ کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، لیکن کسی کے ساتھ اچھائی بھی کی؟ کسی کا مال نہیں چھینا، لیکن کسی غریب ومسکین کو کچھ دیا بھی؟ دنیا کو یہ ثبوتی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں اور انہی کا نام عمل ہے اور یہ سب کی سب خوبیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم دلی کی گواہی قرآن پاک یوں دیتا ہے:

''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ''۔ (آل عمران:۱۵۹)

''پس خدا کی عنایت سے تم (اے محمد!) ان کے لیے نرم ہو، اور اگر تم کج خلق اور سخت دل ہوتے تو البتہ یہ لوگ (ساتھ دینے والے) تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے''۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم دلی کا متواتر بیان ہے، جو دعویٰ اور دلیل کے ساتھ خود صحیفۂ الٰہی میں موجود ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم دل اور رحیم نہ ہوتے تو یہ نڈر، بےخوف اور درشت مزاج عرب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع نہ ہوتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

''لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ''۔ (التوبہ:۱۰۶)

ترجمہ: ''تمہارے پاس خود تم میں سے ایک پیغمبر آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے، تمہاری بھلائی کا وہ خواہش مند ہے، ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے''۔

اس آیتِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترحمانہ جذبات کا ذکر فرمایا ہے جو تمام بنی آدم کے ساتھ تھے، چنانچہ فرمایا کہ: اے لوگو! تمہارا تکلیف ومصیبت اٹھانا، حق کے قبول سے انکار کرنا اور اپنی جہالت وگنہگاری پر اس طرح ڈٹے رہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق ہے اور تمہاری بھلائی اور خیر طلبی کا وہ بھوکا ہے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ یہی خیرخواہی تمہاری دعوت وتبلیغ اور نصیحت پر اس کو آمادہ کرتی ہے اور جو لوگ اس کی دعوت اور پکار کو سن لیتے ہیں، وہ ان کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔ غرض اس آیتِ پاک میں اس بات کی شہادت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی نوع انسان کے خیرخواہ اور خیرطلب تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی اخلاق کے متعلق آسمانی شہادتیں ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

''(لوگو!) تمہارے لیے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے''۔

اسلام خود اپنے پیغمبر کو اپنی کتاب کا عملی مجسمہ، نمونہ اور پیکر بنا کر پیش کرتا ہے۔ تمام دنیا میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتا ہے۔ طریقۂ نماز کے ناواقف سے کہتا ہے: ''صلوا کما رأیتموني أصلي'' تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ بیوی بچوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے: ''خیرکم خیرکم لأهله وأنا خیرکم لأهلي''۔ یعنی ''تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے لیے سب سے اچھا ہے اور میں اپنی بیوی بچوں کے لیے تم سب سے اچھا ہوں''۔ آخری حج کا موقع ہے، شمعِ نبوت کے گرد ایک لاکھ پروانوں کا ہجوم ہے، انسانوں کو خدا کا آخری پیغام سنایا جارہا ہے، عرب کے باطل رسوم اور نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سلسلہ آج توڑا جارہا ہے، مگر تعلیم کے ساتھ

ساتھ دیکھو کہ اپنی ذاتی نظیر اور عملی مثال بھی ہر قدم پر پیش کی جارہی ہے، فرمایا:

''آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کردیئے گئے، یعنی تم سب ایک دوسرے کے قاتلوں کو معاف کردو! اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون، اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار آج باطل کئے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب کا سودی بیوپار توڑتا ہوں''۔

جان اور مال کے بعد تیسری چیز آبرو ہے، وہ غلط اور قابل اصلاح رسوم ورواج جن کا تعلق لوگوں کی عزت اور آبرو سے ہوتا ہے، ان کو سب سے پہلے عملاً مٹانے کی ہمت گویا بظاہر اپنی بے عزتی اور بے آبروئی کے ہم معنی ہے، اسی لیے ملک کے بڑے بڑے مصلحین کے پاؤں بھی کسی ملکی رسم کی عملی اصلاح کی جرأت مشکل سے کرتے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مساوات، اخوتِ انسانی اور جنسِ انسانی کی برابری کی یہ عملی مثال پیش کی کہ غلام کو اپنا فرزند متبنیٰ بنایا۔

عرب میں قبائل کی باہمی شرافت کی زیادتی وکمی کا اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی میں بھی اپنے سے کم رتبہ پر تلوار چلانا عار سمجھا جاتا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ اعلان کیا کہ: ''اے لوگو! تم سب آدم کے بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے بنا تھا، کالے کو گورے پر، گورے کو کالے پر، عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم میں افضل وہ ہے جو اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہے''۔ تو اس تعلیم سے دفعۃً بلند وپست، بالا وزیر، اعلیٰ وادنیٰ، آقا وغلام سب کو ایک سطح پر لا کھڑا کردیا، لیکن ضرورت تھی عملی مثالوں کی، یہ مثال خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی، اپنی پھوپھی زاد بہن کو جو قریش کے شریف خاندان سے تھیں، اپنے غلام سے بیاہا۔

منہ بولے بیٹے کا قاعدہ جب اسلام میں توڑا گیا تو سب سے پہلے زید بن محمد، زید بن حارثہ کہلائے۔

منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح عرب میں ناجائز تھا، مگر چونکہ یہ محض ایک لفظی رشتہ تھا، جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس رسم سے بہت سی خاندانی رقابتوں اور خرابیوں کی بنیاد عربوں میں قائم ہوگئی تھی، اس لیے اس کا توڑنا ضروری تھا، لیکن اس کے توڑنے کے لیے عملی مثال پیش کرنا، انسان کی سب سے عزیز چیز آبرو سے تعلق رکھتا تھا جو سب سے مشکل کام تھا، پیغمبر عرب صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر خود اس کی مثال پیش کی اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کرلی۔ جب ہی سے یہ رسم عرب سے ہمیشہ کے لیے مٹ گئی اور متبنیٰ کی بیوہ سے شادی نہ کرنے کی بیہودہ رسم سے لوگوں نے نجات پائی۔

☆☆☆